42

ہماری جماعت میں ایک شخص بھی نہ رہے جسے قرآن کریم نہ آتا ہو

(فرمودہ 21 نومبر 1947ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"کوئی تین دن کی بات ہے کہ مَیں نے ایک رؤیا دیکھا جس میں مَیں نے دیکھا کہ ایک میدان ہے اُسی طرز کا جس طرز کا یہ میدان ہے مگر اس سے بڑا۔ اُس میدان میں کچھ دوست ہیں اور کوئی شخص غیر بھی شاید ہندو ملاقات کے لئے آیا ہوا ہے۔ مَیں نے اُس وقت چاہا کہ قرآن شریف کا درس دوں۔ چنانچہ مَیں نے اُس آنے والے سے کچھ باتیں کرنے کے بعد جو مجھے یاد نہیں رہیں درس دینے کا اعلان کیا اور کہا کہ مَیں اب قرآن شریف کا درس دینا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر مَیں اُٹھا تا کہ مَیں اپنا وہ قرآن لے آؤں جس پر میرے نوٹ لکھے ہوئے ہیں۔ ایک چھوٹی سی دیوار سے جس میں طاقچہ سا بنا ہوا ہے مَیں نے سمجھا کہ میرا قرآن وہاں پڑا ہوگا مگر جب مَیں نے دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہاں نہیں۔ اس کے مقابل میں ایک اَور دیوار ہے اور اس میں بھی طاقچے سے بنے ہوئے ہیں۔ پھر مَیں نے وہاں دیکھنا شروع کیا مگر وہاں بھی کاغذات کو الٹ پلٹ کر دیکھنے سے معلوم ہوا کہ میرا قرآن وہاں نہیں۔ اُس وقت مجھے پہلے تو یہ خیال آیا کہ مَیں گھر سے قرآن منگواؤں اور درس دے دوں مگر اس کے ساتھ ہی مَیں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ میرے درس کا سلسلہ

جاری ہو چکا ہے اور جہاں پہلے درس دیا تھا اس کے اگلے حصہ سے اب درس شروع کرنا ہے لیکن جس طرح درمیان میں وقفہ پڑ جائے اور ایک دو دن گزر جائیں تو انسان بھول جاتا ہے کہ وہ کونسا رکوع تھا جس کا میں درس دے رہا تھا۔ اسی طرح مَیں بھی بھول گیا ہوں کہ مَیں کونسے رکوع کا درس دے رہا تھا۔ اس وجہ سے مَیں کسی اَور قرآن سے درس نہیں دے سکتا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ میرے قرآن پر درس کے مقام پر نشان رکھا ہوا تھا۔ مگر اب چونکہ وہ قرآن مجھے ملا نہیں اس لئے کسی اَور قرآن سے مَیں وہ مقام تلاش نہیں کر سکتا۔ اُس وقت مَیں نے سوچا کہ درس کے اعلان کے بعد یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ مَیں درس نہ دوں۔ اگر اس رکوع کا مَیں درس نہیں دے سکتا تو کسی اَور رکوع کا ہی درس دے دوں۔ اُس وقت کوئی خاص آیت میرے ذہن میں نہیں۔ لیکن جس طرح یقظہ 1 میں میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے اس طرح مَیں سمجھتا ہوں کہ کوئی آیت بھی میرے سامنے آجائے گی تو مَیں درس دے دوں گا۔ یہ خیال آتے ہی میرے دل میں آیا کہ مَیں کیوں نہ اس بات پر درس دوں کہ قرآن کریم کی تفسیر کس طرح کرنی چاہیے اور قرآن کریم کے صحیح مطالب سمجھنے کے لئے ہمارے پاس کونسا ذریعہ ہے۔ یہ خیال آتے ہی مَیں نے کہا کہ مَیں آج حسبِ دستور گو درس نہیں دیتا کیونکہ وہ قرآن کریم جس پر میرے نوٹ ہیں اس وقت میرے پاس نہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ پہلا درس کہاں ختم ہوا ہے۔ مگر آج مَیں اس بات پر درس دیتا ہوں کہ قرآن کریم کی تفسیر کن اصول پر کی جانی چاہیے۔ اُس وقت جیسے عام سنّتُ اللہ میرے ساتھ ہے مَیں یہ فقرے تو کہہ رہا ہوں مگر نہ مضمون میرے ذہن میں ہے اور نہ کوئی آیت میرے ذہن میں ہے۔ مگر مَیں سمجھتا ہوں کہ جب مَیں نے اس موضوع پر تقریر شروع کی تو خود بخود مضمون میرے سامنے آتا جائے گا آیت بھی میرے سامنے آجائے گی۔ عام طور پر جب مَیں بغیر نوٹوں کے تقریر کیا کرتا ہوں تو بسا اوقات دو چار فقرے کہنے تک مجھے خود بھی معلوم نہیں ہوتا کہ میرا مضمون کیا ہے۔ اُس وقت اچانک مضمون مجھ پر ظاہر کیا جاتا ہے اور مَیں تقریر شروع کر دیتا ہوں۔ اس وقت بھی یہ تو ذہن میں آگیا ہے کہ مَیں قرآن کریم کی تفسیر کے اصول بیان کروں مگر یہ کہ کن آیتوں سے یہ اصول مستنبط کروں گا یہ بات میرے ذہن میں نہیں۔ جب مَیں نے کہا کہ مَیں قرآن کریم کی تفسیر کے اصول بیان کرنا چاہتا ہوں تو یکدم میری زبان پر ایک آیت جاری

ہوئی۔ آج تک جاگتے ہوئے مَیں نے اس آیت سے کبھی یہ مضمون اخذ نہیں کیا اور نہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ مَیں نے اپنی زندگی بھر کبھی اس آیت سے وہ استدلال کیا ہو جو مَیں خواب میں کرتا ہوں۔ بہرحال جب مَیں نے قرآن کریم کی تفسیر کے اصول بیان کرنے چاہے تو یکدم یہ الفاظ میری زبان پر جاری ہوئے کہ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ اَمْرٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَ اِلَی الرَّسُوْلِ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ اور مَیں نے کہا کہ قرآن کریم کی تفسیر کے بہترین اصول ان الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں۔ دراصل آیت ان الفاظ میں نہیں ہے بلکہ یوں ہے یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ 2۔ لیکن خواب میں مَیں اس طرح پڑھتا ہوں جس طرح اوپر بیان ہوا ہے۔ خواب کے الفاظ میں شَیْءٍ کی جگہ اَمْرٍ ہے اور الرَّسُوْلِ کے بعد اُولِی الْاَمْرِ کے لفظ بھی ہیں۔ ان الفاظ کی تبدیلی سے آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ شَیْءٍ اور اَمْرٍ کے الفاظ کے معنی تو ایک ہیں مگر اَمْرٍ کے لفظ سے اس طرف اشارہ بھی ہے کہ اس آیت میں تفسیرِ قرآنی کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح اُولِی الْاَمْرِ کے الفاظ بڑھا کر اشارہ کیا ہے کہ آیت کے پہلے حصہ میں جو اُولِی الْاَمْرِ کے الفاظ ہیں وہ دوسرے حصہ میں بھی مراد ہیں۔ صرف اختصار کے لئے حذف کر دیئے گئے ہیں۔ جب کہ قرآن کریم کے کئی اور مقامات پر بھی کیا گیا ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ تَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ کے معنی گو دنیاوی تنازعہ کے بھی ہیں مگر ایک معنی اس کے اَور بھی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ اَمْر کے معنی اس جگہ کلامِ الٰہی کے ہیں اور درحقیقت وہی اصل امر ہوتا ہے اور اسی کے ذریعہ بتایا جاتا ہے کہ انسان کن ذرائع سے دنیا میں ترقی حاصل کر سکتا اور کن ذرائع سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکتا ہے۔ پس تَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ کے معنی ہیں تَنَازَعْتُمْ فِیْ تَفْسِیْرِ الْاَمْرِ یا تَنَازَعْتُمْ فِیْ مَعْنِی الْاَمْرِ یعنی جب تمہیں کسی آیت کا صحیح مفہوم معلوم کرنے میں شبہ ہو جائے ایک کہے اس کے یہ معنی ہیں اور دوسرا کہے اس کے یہ معنی ہیں تو فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ تم اس اختلاف کے وقت سب سے پہلے یہ کام کیا کرو کہ اس آیت کو خدا تعالیٰ کی طرف لے جاؤ کہ وہ اس کو حل کرے۔ اور پھر مَیں اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ احادیث میں اس مفہوم کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ کَلَامُ اللّٰہِ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا۔ خدا تعالیٰ کے کلام کی یہ

خصوصیت ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کی تفسیر کر دیا کرتا ہے۔ پس جب تم میں کسی آیت کے معنی کے متعلق اختلاف پیدا ہو جائے تو تمہیں قرآن کریم کی دوسری آیتوں کو دیکھنا چاہیے کہ وہ مختلف معانی میں سے کس کی تائید کرتی ہیں۔ پھر جس کی تائید کریں ہمارا فرض ہے کہ وہ معنی کریں اور جس کی تائید نہ کریں وہ معنی نہ کریں۔

پھر مَیں نے کہا دوسری چیز اِلَی الرَّسُوْلِ کے الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔یعنی اگر قرآن کریم کی آیات سے تم پر حقیقت واضح نہیں ہوتی تو فَـرُدُّوْهُ اِلَـى الـرَّسُوْلِ تم احادیث کو ٹٹولو اور دیکھو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے کیا معنی بیان فرمائے ہیں۔ اور وہ معنی تمہارے مفہوم کی تائید میں ہیں یا اس کے مخالف ہیں۔اگر احادیث نبوی تمہارے معنوں کی تائید میں ہیں تو وہ درست ہیں اور اگر وہ غیر کی تائید میں ہیں تو اُس کے معنی درست ہیں۔

پھر مَیں کہتا ہوں کہ تیسرا اصول یہ ہے کہ اگر تمہارا اختلاف دُور نہ ہو تو اُولِـى الْاَمْـرِ کی طرف اس تنازعہ کو لوٹاؤ۔اس تفسیر کے لحاظ سے اُولِـى الْاَمْـرِ مِـنْـكُـمْ کے ایک نئے معنی اِس وقت مَیں کرتا ہوں۔ عام طور پر اس آیت میں ہم اُولِی الْاَمْرِ کے اَور معنی کیا کرتے ہیں اور وہ معنی بھی اس جگہ درست ہیں۔لیکن اِس وقت مَیں یہ معنی کرتا ہوں کہ اُولِـى الْاَمْـرِ سے وہ لوگ مراد ہیں جن کو خدا تعالیٰ اپنے الہام کے ذریعہ سے معانی سمجھاتا ہے۔اور مَیں کہتا ہوں کہ خدا اور رسول کے بعد تم اُس شخص کی طرف رجوع کرو یا اُس کی کتابیں پڑھو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے الہام سے کلامِ الٰہی کے معنی سمجھائے ہوں۔ یہ مضمون ہے جو خواب میں مَیں نے بیان کیا۔اس کے بعد خواب کی حالت بدل گئی۔اسی دوران ایک معترض بھی اٹھا۔اس نے بعض اعتراضات کئے مگر اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ بہرحال مَیں نے تین اصول قرآن کریم کی تفسیر کے بیان کئے ہیں اور تینوں اپنی اپنی جگہ کئی دفعہ بیان ہو چکے ہیں۔ یہ بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور احادیث میں بھی آتا ہے كَلَامُ اللّٰهِ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا اللہ تعالیٰ کے کلام کا ایک حصہ اس کے دوسرے حصہ کی تفسیر کر دیا کرتا ہے اور یہ بات بھی کئی دفعہ بیان کی جا چکی ہے اور ہر شخص سمجھتا ہے کہ قرآن کریم کے لانے والے سے زیادہ بہتر اس کے معانی کو اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اور یہ مضمون بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں میں آ چکا ہے کہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ

ایسے لوگ کھڑے کیا کرتا ہے جو اس کے الہام کے مورد ہوتے ہیں، ان پر کلامِ الٰہی کے معارف کھولے جاتے ہیں اور انہی کی اقتدا اور پیروی ان کو نجات دلاتی ہے۔ مگر اس آیت کی تفسیر کے لحاظ سے یہ معنی مَیں نے پہلے کبھی بیان نہیں کئے کہ جب تم میں کسی آیت کے مفہوم کے متعلق اختلاف پیدا ہو جائے تو تم قرآن کریم کی دوسری آیتوں پر غور کیا کرو کہ وہ کن معنوں کی تائید کرتی ہیں۔ اگر آیات نہ ملیں تو احادیثِ نبوی میں اس کا مفہوم تلاش کرو۔ اور اگر احادیثِ نبوی سے بھی تمہیں اس کے معنی نہ ملیں تو کسی ملہم کے کلام اور اس کی تشریحات کی طرف دیکھو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ سے تازہ روشنی اور الہام پانے کی وجہ سے اس کا ذہن منور ہو جاتا ہے۔ اور گو اس کا الہام قرآنی الہام سے ادنیٰ ہوتا ہے مگر چونکہ وہ قرآنی طرز کا الہام ہوتا ہے اس لئے اس کے دماغ کو قرآن کریم سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے بیان کردہ معنی زیادہ صحیح ہوتے ہیں بہ نسبت ان لوگوں کے جن کے دماغ کو قرآن کریم سے اس رنگ کی مناسبت نہیں ہوتی۔ جہاں تک اس آیت سے استنباط کئے بغیر ان معانی کا تعلق ہے یہ معنی بیان ہوتے رہتے ہیں۔ مگر اس آیت کی طرف منسوب کر کے ان معنوں کو پیش کرنا ایک جدید مضمون ہے۔

درحقیقت ہماری زندگی کا سارا مدار ہی قرآن کریم پر ہے۔ اگر ہماری جماعت قرآن کریم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے تو سارے مصائب اور ساری مشکلات آپ ہی آپ ختم ہو جائیں۔ درحقیقت خدا تعالیٰ سے بُعد کے نتیجہ میں ہی مشکلات آنے پر خدا تعالیٰ سے مایوسی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ [3]۔ اِنَّـهٗ کے معنی ہیں یہ قطعی بات ہے، حقیقت یہی ہے، صداقت یہی ہے، سچائی یہی ہے، اور اس کے سوا کوئی حقیقت اور کوئی سچائی اور کوئی صداقت نہیں۔ گویا اِنَّـهٗ میں ھُوَ کی ضمیر عام ضمیر نہیں بلکہ ضمیرِ شان ہے۔ جس کے معنی ہوتے ہیں حقیقت یہی ہے، صداقت یہی ہے، سچائی یہی ہے کہ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اور اس کی رحمت سے اور اس کے فضل سے کوئی مایوس نہیں ہوتا۔ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ سوائے قومِ کافر کے۔ جسے خدا تعالیٰ پر یقین اور ایمان نہیں ہوتا اور اس کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اِنَّـهٗ کہہ کر اور ضمیرِ شان لا کر بتا دیا ہے کہ یہ اٹل صداقت اور حقیقت ہے اور اس کے سوا کوئی

صداقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے سوائے کفار کے اور کوئی مایوس نہیں ہوتا۔ نفی کے بعد جب اِلَّا آتا ہے تو وہ بھی حصر کر دیتا ہے۔ مثلاً جب کہا جائے کہ میرے سوا کوئی اَور شخص یہ کام نہیں کر سکتا تو اس میں حصر آ جائے گا۔ اور دوسرے لوگوں کے متعلق نفی ہو جائے گی کہ ان میں اس کام کو سرانجام دینے کی اہلیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی پہلے تو یہی کہا کہ حقیقت یہی ہے اور اس طرح حصر کر دیا اور پھر کہا کہ سوائے قومِ کافر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کوئی مایوس نہیں ہوتا۔ گویا ایک حصر کی بجائے دو حصر آ گئے۔ ایک حصر ہی اپنے اندر بڑی تاکید رکھتا ہے۔ دو حصر آ جائیں تو تاکید اپنے انتہاء کو پہنچ جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام پر ایمان کے ہوتے ہوئے انسانی قلب میں مایوسی پیدا ہی نہیں ہوسکتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جو حالت مثلاً غارِ ثور میں ہوئی اس کے بعد کون سی امید کی حالت باقی رہ جاتی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رات کی تاریکی میں اپنے گھر کو چھوڑ کر غارِ ثور میں جا چُھپے۔ ایک ایسی غار میں جس کا منہ بہت بڑا کھلا تھا اور ہر انسان آسانی سے اس کے اندر جھانک سکتا اور کُود سکتا تھا۔ صرف ایک ساتھی آپ کے ہمراہ تھا اور پھر دونوں بغیر ہتھیاروں اور بغیر کسی طاقت کے تھے۔ مکہ کے مسلح لوگ آپ کے تعاقب میں غارِ ثور پر پہنچے اور ان میں سے بعض نے اصرار کیا کہ ہمیں جھک کر اندر بھی ایک دفعہ دیکھ لینا چاہیے تاکہ اگر وہ اندر ہوں تو ہم ان کو پکڑ سکیں۔ دشمن کو اتنا قریب دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! دشمن تو سر پر پہنچ گیا ہے۔ آپ نے اُس وقت بڑے جوش سے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا [4]۔ ابوبکر ڈرتے کیوں ہو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ دیکھو گھبراہٹ کے لحاظ سے کتنی انتہائی چیز اُس وقت آپ کے سامنے آئی اور اس واقعہ کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قتل یا آپ کی گرفتاری میں کون سی کسر باقی رہ گئی تھی۔ مگر باوجود اس کے کہ دشمن طاقتور تھا، سپاہی اس کے ساتھ تھے، ہتھیار اس کے پاس موجود تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بالکل نہتے صرف ایک ساتھی کے ساتھ غار میں بیٹھے تھے۔ نہ ہتھیار آپ کے پاس تھا نہ حکومت آپ کی تائید میں تھی۔ نہ کوئی جتھا آپ کے پاس تھا۔ آپ کثیر التعداد دشمن کو اپنے سامنے کھڑا دیکھنے کے باوجود فرماتے ہیں لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ تم کیوں یہ کہتے ہو کہ دشمن طاقتور ہے۔ کیا وہ خدا سے بھی زیادہ طاقتور ہے؟ جب خدا ہمارے ساتھ ہے تو ہمارے لئے گھبراہٹ کی کون سی وجہ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی یہ گھبراہٹ

بھی اپنے لئے نہیں تھی بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے تھی۔
بعض شیعہ لوگ اس واقعہ کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ نعوذ باللہ بے ایمان تھا۔ وہ اپنی جان دینے سے ڈر گیا۔ حالانکہ تاریخوں میں صاف لکھا ہے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ۔تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ! مَیں اپنی جان کے لئے تو نہیں ڈرتا۔ مَیں اگر مارا گیا تو صرف ایک آدمی مارا جائے گا۔ مَیں تو آپ کے لئے ڈرتا ہوں۔ کیونکہ اگر آپ کو نقصان پہنچا تو صداقت دنیا سے مٹ جائے گی۔
یہ ایمان ہے جو انسان کو ہر مصیبت اور ہر تکلیف کی ساعت میں پُر امید رکھتا ہے اور کسی لمحہ میں بھی مایوسی کو اس کے قریب پھٹکنے نہیں دیتا۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کچھ کم مصائب نہیں آئے۔ آپ جنگ اُحد میں زخمی ہو کر گر گئے۔ اور صحابہؓ نے سمجھا کہ آپ شہید ہو گئے ہیں۔ غزوہ حنین میں سارا اسلامی لشکر تتر بتر ہو گیا اور صرف چند صحابہؓ کے ساتھ آپ میدانِ جنگ میں باقی رہ گئے۔ مگر آپ کا اصل مقصد جو صداقت کو دنیا میں قائم کرنا تھا اس میں کبھی کوئی رخنہ واقع نہیں ہوا۔ اور یہی غرض انبیاء کی بعثت کی ہوتی ہے۔ انبیاء دنیا میں صداقت پھیلانے کے لئے آتے ہیں اور اسی مقصد کے لئے ان کی ہر کوشش صَرف ہوتی ہے۔ جہاں تک نبیوں کا وجود ان کی امت کے مقابلہ میں ہوتا ہے وہ بہت بڑی حیثیت رکھتے ہیں۔ اتنی بڑی حیثیت کہ اگر ساری دنیا کی جانیں بھی ایک نبی کی جان بچانے کے لئے قربان کرنی پڑیں تو وہ قربان کی جا سکتی ہیں۔ مگر جہاں تک صداقت کا سوال ہے نبی بھی اسی طرح صداقت کا خادم ہوتا ہے جس طرح اس کا ایک عام پیرو صداقت کا خادم ہوتا ہے۔ اگر نبی مارا جاتا ہے، جلاوطن کر دیا جاتا ہے لیکن نتیجہ یہ نہیں نکلتا کہ اس کی صداقت دنیا سے مٹ جائے تو اس کا مارا جانا یا وطن سے بے وطن ہو جانا ہرگز کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ نبی کے مقابلہ میں صداقت حاکم ہوتی ہے اور نبی خادم جس طرح نبی کے مقابلہ میں امت خادم ہوتی ہے اور نبی حاکم۔ جس طرح نبی کے مقابلہ میں اگر ساری امت بھی تباہ کر دی جائے تو کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جیسے حضرت ابوبکرؓ نے کہا تھا کہ یا رسول اللہ! اگر مَیں مارا گیا تو میری کیا حیثیت ہے۔ صرف ایک ہی آدمی مارا جائے گا۔ لیکن اگر آپ کو نقصان پہنچا تو صداقت دنیا سے مٹ جائے گی۔ یہی حال نبی اور صداقت کا ہوتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کا پیغام دنیا تک پہنچ جائے تو پھر بے شک نبی شہید ہو جائے اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا

کیونکہ وہ اسی غرض کے لئے آیا تھا کہ صداقت پھیلائے۔ جب خدا دیکھے کہ صداقت پھیل چکی ہے تو اس کے بعد اگر نبی مارا بھی جائے تو کوئی حرج نہیں ہوتا۔ اصل مقصد انبیاء کی بعثت کا یہی ہوتا ہے کہ وہ صداقت کو دنیا میں قائم کریں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیں۔

جب مَیں نے شروع شروع میں بیرونی ممالک میں مبلغ بھجوانے شروع کئے تو ہماری جماعت کا ایک طبقہ مجھ پر بڑے اعتراض کیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ جب ہندوستان میں ہی ایسے علاقے موجود ہیں جن میں ہم تبلیغ کر سکتے ہیں تو بیرونی ممالک کی تبلیغ پر جماعت کا روپیہ کیوں خرچ کیا جاتا ہے۔ وہ اس حکمت کو نہیں سمجھتے تھے جس کو مَیں سمجھتا تھا۔ اور وہ خیال کرتے تھے کہ ملّانوں کی طرح مسجد میں درس دیتے ہم کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن مَیں جانتا تھا اور خدا تعالیٰ کی دی ہوئی عقل اور فہم اور فراست کے ماتحت جانتا تھا کہ ہمیں مارا بھی جائے گا، ہمیں قتل بھی کیا جائے گا، ہمیں ہجرتیں بھی کرنی پڑیں گی، ہمیں لڑنا بھی پڑے گا۔ اور مَیں جانتا تھا کہ ہمارے لئے انتہائی طور پر یہ ضروری امر ہے کہ ہم جلد سے جلد دنیا کے تمام ممالک میں اپنی جماعت کو پھیلا دیں تا کہ اگر ایک مقام کی آبادی خدانخواستہ ساری کی ساری مار دی جائے اور تہہِ تیغ کر دی جائے تو دوسرے مقام کی احمدی آبادی احمدیت کو دنیا میں قائم رکھ سکے۔ چنانچہ باوجود دوستوں کے طعن و تشنیع کے اور باوجود ان کے بار بار کہنے کے کہ ہندوستان میں اچھوتوں پر یہ روپیہ صَرف کیا جائے بیرونی ممالک میں مشن قائم نہ کئے جائیں مَیں برابر غیر ممالک میں اپنے مبلغ بھجواتا رہا۔ اس طرح آج سے دس سال پہلے مَیں نے مختلف ملکوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کے سیٹ بھجوا دیئے اور مَیں نے کہا دیکھو! اگر کسی وقت دشمن غالب آجائے اور وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تمام کتابیں جلا دے اور تباہ کر دے تو پھر ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم دنیا کے ہر ملک میں اپنے سلسلہ کا لٹریچر بھجوا دیں تا کہ اگر ایک ملک پر آفت آئے اور دشمن ہمارے لٹریچر کو تباہ کر دے تو دنیا کے اَور کئی ممالک میں ہمارا لٹریچر محفوظ ہو اور ہم پھر اس کے ذریعہ سے احمدیت کو غالب کر سکیں۔ لوگ میری ان حرکات کو ایک پاگل کی حرکات سے زیادہ نہیں سمجھتے تھے۔ گو میرا ادب اور لحاظ کرتے ہوئے وہ یہ الفاظ استعمال کیا کرتے تھے کہ ان کو کچھ وہم سا ہو گیا ہے مگر آج ہم اس قسم کے حالات سے دربدر ہو رہے ہیں اور آج ہر شخص سمجھ رہا ہے کہ میرا وہم

حقیقت تھا اور تمہاری حقیقت صرف ایک خیالی امر تھا۔ جب تم سمجھتے تھے کہ تم بالکل مامون اور محفوظ ہو اور تم پر مصائب کے ایام آنے والے نہیں تو تم ایک خطرناک وہم میں مبتلا تھے۔ ایسا وہم جو قوموں کو تباہ کر دیا کرتا ہے۔ اور جب مَیں سمجھتا تھا کہ ہماری جماعت پر خطرناک ابتلاء آنے والے ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم ان ابتلاؤں کے آنے سے پہلے اپنے مبلغ بھی دنیا کے تمام ممالک میں پھیلا دیں اور اپنا لٹریچر بھی دنیا کے تمام ممالک میں بھجوا دیں تو مَیں اس حقیقت پر قائم تھا جو روزِ روشن کی طرح ایک دن ظاہر ہونے والی تھی۔ غرض میرا وہم نظر آنے والا خیال حقیقت تھا اور تمہارا حقیقت نظر آنے والا خیال وہم تھا اور اس حکمت کے ماتحت بیرونی ممالک میں مشن قائم کئے گئے جو خدا تعالیٰ کے فضل سے کامیاب طور پر کام کر رہے ہیں۔ اگر ہندوستان سے احمدیت کو مٹا دیا جائے تب بھی یہ ایک حقیقت اور سچائی ہے کہ وہ صداقت جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لائے اب دنیا سے مٹ نہیں سکتی اور خدا نے اس کے لئے ظاہری سامان بھی پیدا کر دیئے ہیں۔ آج دنیا کے ہر خطہ اور ہر علاقہ میں احمدی موجود ہیں۔ افغانستان میں بھی موجود ہیں۔ ایران میں بھی موجود ہیں۔ عرب میں بھی موجود ہیں۔ مصر میں بھی موجود ہیں۔ ایبے سینیا میں بھی موجود ہیں۔ ایسٹ افریقہ میں بھی موجود ہیں۔ ویسٹ افریقہ میں بھی موجود ہے۔ انگلستان میں بھی ہیں۔ یونائیٹڈ سٹیٹس امریکہ میں بھی موجود ہیں۔ ارجنٹائن میں بھی موجود ہیں۔ انڈونیشیا میں بھی موجود ہیں۔ ملایا میں بھی موجود ہیں۔ سیلون میں بھی موجود ہیں۔ برما میں بھی موجود ہیں۔ چائنا میں بھی کچھ آدمی موجود ہیں۔ اسی طرح ماریشس وغیرہ جزائر میں بھی موجود ہیں۔ غرض دنیا کے ہر خطہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب اور آپ کے ماننے والے لوگ موجود ہیں۔ یہ تو ہمارا کوئی دشمن بھی خیال نہیں کر سکتا کہ وہ ساری دنیا کو ایک دم فتح کر کے احمدیت کو تباہ کر سکتا ہے۔ اگر دس ملکوں میں سے بھی احمدیت کو مٹا دے گا تو گیارھواں بارھواں اور تیرھواں ملک ایسا ہوگا جس میں احمدیت موجود ہوگی اور سلسلہ کا لٹریچر موجود ہوگا اور وہ لوگ پھر نئے سرے سے احمدیت کو پھیلانے کے لئے ایک نئی جدوجہد کا آغاز کر سکیں گے۔ دراصل خدا تعالیٰ کا وقت پر اِس چیز کی طرف توجہ پھرا دینا یہ بھی خدا تعالیٰ کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے۔ ورنہ مَیں بھی ایک ویسا ہی انسان ہوں جیسے اور انسان ہیں۔ مگر جن باتوں کے متعلق خدا تعالیٰ نے مجھے آج

سے دس دس، پندرہ پندرہ سال قبل ہوشیار کر دیا اور جن عظیم الشان کاموں کی مجھ سے بنیادیں رکھوادیں اُن باتوں کی طرف اَور کسی کا ذہن ہی نہیں گیا۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ یہ جو کچھ ہوا خدائی رہنمائی کے نتیجہ میں ہوا ورنہ میرا بھی ویسا ہی دماغ تھا جیسے اور لوگوں کا دماغ ہے۔ مگر ان کو یہ احتیاطیں نہ سُوجھیں اور مجھے خدا تعالیٰ نے ہر پہلو کے متعلق اپنے فضل سے صحیح راستہ پر قائم رکھا اور مجھ سے وہ کام کرائے جو آئندہ زمانہ میں جماعت کی ترقی اور اس کی اشاعت کے لئے نہایت ضروری تھے۔ اور جن کے بغیر ہماری جماعت کبھی ترقی کر ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ مجھے خدائی رہنمائی حاصل تھی اور یہ جو کچھ کیا دراصل خدا تعالیٰ نے ہی کیا مَیں نے نہیں کیا۔

تو ایمان اور یقین کے ساتھ جو قرآن سے ہی پیدا ہوتا ہے انسان کو ثبات ملتا ہے۔ استقلال ملتا ہے، ایمان ملتا ہے اس لئے قرآن کے پڑھنے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ جب تک تمہاری بنیاد دین پر نہیں ہوگی محض کسی عقیدہ کو مان لینا اور جماعت میں شامل ہو جانا یہ ایک دنیوی بات ہوتی ہے اور اس پر انسان کو کسی قسم کا ثواب نہیں مل سکتا۔ تمہارے سامنے دیا سلائی کی ڈبیہ پڑی ہوتی ہے اور تم جانتے ہو کہ وہ دیا سلائی کی ڈبیہ ہے مگر کیا اس کی وجہ سے تم کسی ثواب کے حقدار ہو سکتے ہو؟ تم ایک درخت کو درخت کہتے ہو تو کیا تمہیں ثواب ملتا ہے؟ عقائد اور صداقت کا اقرار محض اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمیں پتہ لگ گیا ہے کہ خدا نے ہمیں کونسی تعلیم دی ہے یا تمہیں پتہ لگ گیا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے اور صادق اور راستباز تھے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے تم اپنے سامنے پڑے ہوئے لوٹے کے متعلق کہتے ہو کہ وہ لوٹا ہے۔ یا درخت کے متعلق کہتے ہو وہ درخت ہے۔ یا انار پڑا ہو تو کہتے ہو یہ انار ہے۔ درحقیقت جہاں سے ایمان شروع ہوتا ہے وہ مقام وہ ہوتا ہے جب ایمانی کیفیات انسان کی زندگی کو بدل دیتی اور اس کے اندر ایک غیر معمولی تغیر پیدا کر دیا کرتی ہیں۔ جب ایسا ہو تب بے شک یہ انسانی کمال سمجھا جاتا ہے۔ لیکن صرف دیکھ کر مان لینا اور زندگی میں کسی قسم کا تغیر پیدا نہ کرنا یہ کوئی کمال نہیں ہوتا۔ ایک شخص مان لیتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب سچے ہیں یا مان لیتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں یا مان لیتا ہے کہ احمدیت سچی ہے۔ تو یہ ایسی ہی بات ہے جیسے لوٹے کو تم لوٹا کہہ دیا کرتے ہو۔ لوٹے کو لوٹا کہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا جب تک اُس لوٹے سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ یا مثلاً کونین کو کونین کہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا

جب تک اسے بخار میں استعمال نہ کیا جائے ۔کونین کھانے سے بے شک چڑھا ہوا بخار اتر جاتا ہے یا چڑھنے والا بخار نہیں چڑھتا۔لیکن اگر کوئی کونین تو نہ کھائے اور دن بھر کونین کونین کہتا رہے اور سمجھے کہ جب میں کونین کے وجود کو تسلیم کرتا ہوں تو میرے لئے اتنا ہی کافی ہے اسے استعمال کرنے کی ضرورت نہیں تو یہ اس کی غلطی ہوگی ۔کونین کو مان لینا اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ فائدہ تبھی ہوگا جب وہ کونین کو استعمال کرے گا۔ یا گیہوں کے دانہ کو تم گیہوں کا دانہ کہتے ہو تو اس سے تمہارا پیٹ نہیں بھرے گا۔ پیٹ اُسی وقت بھرے گا جب تم گیہوں کی روٹی پکا کر کھاؤ گے۔اسی طرح سلسلہ الٰہیہ کو سلسلہ الٰہیہ سمجھنا اور اس کی تعلیم پر عمل نہ کرنا بالکل لغو اور فضول ہوتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات عذابِ الٰہی کو بھڑکانے کا موجب بن جاتا ہے۔پس ہماری جماعت کو چاہیے کہ وہ قرآن کے پڑھنے اور پڑھانے کا اتنا رواج دے کہ ہماری جماعت میں کوئی ایک شخص بھی نہ رہے جسے قرآن نہ آتا ہو۔

تھوڑے ہی دن ہوئے ایک صاحب مجھ سے ملنے کے لئے آئے تو باتوں باتوں میں مَیں نے انہیں کہا کہ قادیان کی دس فیصدی عورتیں ابھی قرآن کریم کا ترجمہ جانتی ہیں ۔اس نے آگے سے جواب دیا کہ چاہیئے تو یہ کہ سو فیصدی عورتیں قرآن کریم کا ترجمہ جانتی ہوں ۔اب اس کی بات بالکل صحیح تھی ۔ میں دوسروں کی نسبت بے شک کہہ سکتا ہوں کہ ہماری جماعت میں قرآن کریم کا علم زیادہ ہے ۔لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص خدا تعالیٰ کا پیدا کردہ اور اس کے سامنے جواب دہ ہے اور ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ قرآن کریم کو پڑھے اور اس پر عمل کرے۔پس اس کی بات معقول تھی ۔لیکن میری مجبوریاں بھی میرے بس میں نہیں ۔ لوگوں کو عربی زبان سے کچھ واقفیت نہیں ۔ دین سے کوئی مس نہیں ۔ دینی علوم سے ان کو کوئی رغبت نہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ جب انگریزی کے بغیر نوکری نہیں مل سکتی تو ہمیں یہی زبان سیکھنی چاہیئے ۔کسی اَور زبان پر اپنا وقت صَرف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ایسے حالات میں لوگوں کو مجبور کر کے قرآن پڑھانا یا عربی زبان سیکھنے کی طرف مائل کرنا یہ بڑا مشکل کام ہے اور اسی لئے ہمیں اب تک سو فیصدی کامیابی نہیں ہوئی ۔مگر بہرحال یہ جواب قائم مقام صداقت کا نہیں ہو سکتا۔مَیں کہہ سکتا ہوں کہ ایک بُھوکے کو کھلانے کے لئے چونکہ میرے پاس صرف دس دانے تھے اس لئے مَیں نے دس دانے ہی دے دئے مگر دس دانوں کے ساتھ کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔

ساٹھ ستّر یاسَو دانے اگر اسے کھانے کو ملیں گے تو پھر بھی وہ کمزور حالت میں زندہ رہ سکے گا۔ مگر طاقت اسے پھر بھی حاصل نہیں ہوگی۔ طاقت کے لئے مقررہ غذا کا اس کے معدہ میں جانا ضروری ہوتا ہے۔ میرا جواب بھی اِس قسم کا تھا اور وہ بتا رہا ہوں کہ چونکہ مجھے وسائل میسر نہیں اس لئے مَیں جماعت کو سو فیصدی اس بارہ میں تیار نہیں کر سکا۔ مگر بہرحال اس سے یہ حقیقت بدل نہیں سکتی کہ ہمارا فرض یہی ہے کہ ہم سو فیصدی قرآن کریم کو جاننے اور سمجھنے والے ہوں۔ پس جماعت کو چاہیئے کہ وہ اپنے اندر اصلاح کا رنگ پیدا کرے۔ ابھی تک جماعت کے بعض لوگ اس کو محض ایک سوسائٹی کی طرح سمجھتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ بیعت کرنے کے بعد اگر چندہ دے دیا تو اتنا ہی ان کے لئے کافی ہے اور اس سے ان کی ساری ذمہ داریاں ادا ہو جائیں گی۔ حالانکہ جب تک ہم دین کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش نہ کریں گے، جب تک ہم اپنے ساتھیوں اور اپنے دوستوں اور اپنے رشتہ داروں کو قرآن کریم کے پڑھانے اور اس پر عمل کرانے کی کوشش نہ کریں گے اُس وقت تک ہمارا قدم اُس اعلیٰ مقام تک نہیں پہنچ سکتا جس مقام تک پہنچنے کے نتیجہ میں انبیاء کی جماعتیں کامیاب ہوا کرتی ہیں۔''

خطبہ ثانیہ میں حضور نے فرمایا:

''جمعہ کے ساتھ ہی مَیں عصر کی نماز بھی جمع کراؤں گا اور اس کے بعد چند جنازے پڑھاؤں گا۔ مرزا محمد اشرف صاحب پنشنر جو قادیان کے رہنے والے تھے جہلم میں وفات پا گئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ صحابہ میں سے ایک مرزا جلال الدین صاحب بلانی ضلع گجرات کے ہوتے تھے یہ ان کے لڑکے تھے اور بڑی دیر تک قادیان میں محاسب رہے۔ نہایت مخلص اور نیک انسان تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی تھے۔ ان کے والد کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کی کلید لکھنے پر مامور فرمایا تھا اور انہوں نے ایک مکمل کلید لکھی بھی جو افسوس ہے کہ اب تک شائع نہیں ہو سکی۔ اِسی طرح میر رفیق علی صاحب ایم اے بنگال میں فوت ہو گئے ہیں۔ نہایت مخلص انسان تھے اور موصی تھے۔ عالم بی بی صاحبہ لکھتی ہیں کہ ان کے خاوند مرید کے اسٹیشن پر گاڑی سے گر کر فوت ہو گئے تھے۔ صرف تین آدمیوں نے جنازہ پڑھا۔ قادیان میں جو دوست شہید

ہوئے ہیں ان کا جنازہ گو مَیں پہلے بھی پڑھ چکا ہوں۔ مگر بعض نے درخواست کی ہے کہ ان کے عزیزوں کا پھر جنازہ پڑھ دیا جائے اُن کا جنازہ بھی نماز کے بعد پڑھا دوں گا۔'' (الفضل 9دسمبر 1947ء)

1: یقظہ: بیداری

2: النساء: 60

3: یوسف: 88

4: بخاری کتاب فضائل اَصحاب النَّبیّ صلی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ باب مناقب المھاجرینَ وَ فَضْلِھِمْ